© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشارات

(۱)

رسالہ ترجمان القرآن جس کے کاغذی مدرسہ سے میں نے ۱۹۳۷ء سے ۱۹۷۸ء تک ایک ادنیٰ طالب علم کی مانند مسلسل سبق لیا ہے، اس کا مجھ پر بڑا احسان ہے کہ میں آہستہ آہستہ اُمیت کے تاریک غار سے نکل آیا جس میں بے شمار ڈگریاں اور سندات رکھنے والے بھی ساری عمر گھرے رہتے ہیں۔ اس مدرسہ میں میرے استاذِ اعلیٰ اب تک مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی چلے آ رہے ہیں۔ آج میں اپنی موجودہ ایمانی و فکری سطح سے جو میرے بہت سے ہم مکتبوں سے فروتر ہے، اپنے سابق مقامِ تہی دامنی و فرومایگی سے ذرا جھک کر دیکھتا ہوں تو اس طرح کانپ جاتا ہوں جیسے کسی بلند مینار پر چڑھ کر کوئی شخص نیچے دیکھتا ہے تو ہول کھاتا ہے۔ پھر میں یہ سوچتا ہوں کہ اگر میں اسی تاریک گڑھے میں رہ گیا ہوتا تو بڑے سے بڑا مالی مفاد، شاندار زرین دنیوی رتبہ، اسبابِ آسائش و آرائش کے انبار، ادبی یا سیاسی یا دینی دائرے میں مصنوعی طریقوں سے حاصل کردہ شہرتِ عام، ملکی اور بین الاسلامی اور بین الاقوامی سطحوں پر حاصل ہونے والا وقار، کوئی بھی چیز میری بدنصیبی کی تلافی نہ کر سکتی۔

ترجمان القرآن کو میری نگاہ میں ہمیشہ ایک ادب گاہ کی حیثیت حاصل رہی ہے کہ اس کی مجلس میں آدمی خاموشی سے داخل ہو اور کسی کونے میں اطمینان سے بیٹھ کر اپنے ظرف کے مطابق استفادہ کرے۔ ایسے مجلہ کا قاری ہونا ہزار گونہ موجب سعادت ہے۔ مگر اس کی ادارت کی مسند پر بیٹھنے کا خیال آدمی کی تمام ایمانی و فکری کمزوریوں کو اس کے سامنے آراستہ کر دیتا ہے۔ یہ چھری کے بغیر ذبح (ذبح بغیر سکین) ہونے والی صورت ہے۔

۱۹۴۸ء میں صاحب ترجمان القرآن اور ان کے ساتھ علم و تقویٰ رکھنے والے دو رفقاء کی سیکورٹی ایکٹ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے تحت نظر بندی نے ایک ایسی حالتِ اضطرار پیدا کر دی کہ صاحبِ ترجمان القرآن نے اپنی رائے یہ دی کہ ترجمان القرآن کو بند کر دیا جائے، پھر جب حالات سازگار ہونگے تو از سرِ نو دیکھا جائے۔ مگر اپنے ہاں کے اہل الرائے حضرات جمع ہوئے اور انہوں نے مجھ میں اعتماد کو ابھار کر اس پر آمادہ کر لیا کہ اب اس سفینۂ علم کو اپنے قلم سے کھینے کی ذمہ داری مجھے لینی ہے۔ اور میں نے اس جذبے سے کہ اپنے محاذ پر کسی بھی خالی شدہ جگہ کو خالی رکھ کر کسی کو یہ احساس نہیں دلانا ہے کہ بس سارا کھیل دو چار افراد کا ہے۔ جن میں جسے بھی اس کی جگہ سے ہٹا دیا جائے، کوئی نہ کوئی کام بند ہو جائے گا، اپنی استعداد سے زیادہ گراں ذمہ داری کے لیے اپنے کندھے پیش کر دیے۔ غالباً یہ سلسلہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی رہائی (۱۹۵۰ء) تک جاری رہا۔ ہمت افزائی کرنے والے محبتوں نے میری اس دور کی مساعی کی قدر افزائی کی۔ خاص طور پر یہ امر میرے لیے بہت سرمایۂ تسکین ہوا کہ خود صاحب ترجمان القرآن نے میری خدمات کے لیے اچھے الفاظ استعمال کیے، اور الفاظ کے بغیر بھی میں مولانا کی نگاہوں اور ان کی پیشانی سے ان کے تاثرات پڑھ سکتا تھا۔

اس دَورِ کار کی ایک خاص پیچیدگی یہ تھی کہ مجھے مرکز کی جملہ سرگرمیوں اور مشاورتوں میں بھی حصہ لینا ہوتا تھا، شہر لاہور کی جماعت کے اجلاسوں اور شہر میں ہونے والی دعوتی سرگرمیوں سے بھی پوری طرح دلچسپی رکھنی ہوتی تھی، پھر پاکستان بھر میں وقتاً فوقتاً دَورے کر کے جلسوں میں تقاریر بھی کرنی ہوتی تھیں۔ اور لکھنے کا عالم یہ تھا کہ ملک نصر اللہ خاں عزیز مرحوم کے اخبار میں صحافیانہ شذرے الگ لکھتا، اور ماہنامہ چراغ راہ کو بہ حیثیت ادبی مجلّے کے شروع سے آخر تک مرتب کرتا اور بہت سا حصہ خود لکھتا، نظم بھی اور نثر بھی، مقالات بھی اور کہانیاں بھی۔ اس سارے ہنگامے کے ساتھ ساتھ ترجمان القرآن کی ادارت اس طرح کرتا کہ جونہی میں ترجمان القرآن کے لیے قلم اٹھاتا میرا سارا ذہنی در و بست ایک نئی ترتیب اختیار کر لیتا۔ بعض لوگوں نے اس زمانے میں مجھ سے سوال بھی کیا کہ متعدد دائروں میں بیک وقت کام کرتے ہوئے ہر دائرے کا اندازِ کار اور اسلوب بیان کیسے تبدیل کر لیتے ہو؟ جیسے بجلی کا ایک بٹن دبایا تو لیمپ روشن ہو گیا، دوسرا دبایا تو پنکھا چل پڑا۔ حسبِ موقع کچھ جواب دے دیتا اور دل ہی دل میں کہتا کہ یہ مداری کا ایک کھیل ہے کہ وہ ایک کوری کاپی کی ورق گردانی کر کے حاضرین کو دکھاتا ہے، پھر جب وہ دوسری بار اسے کھولتا ہے تو جہاں سے کھولتا ہے نقاشی اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گل کاری کے نمونے سامنے آتے ہیں، پھر بند کر کے تیسری بار کھولتا ہے تو جو بھی ورق الٹتا ہے اس پر خوش خط مثنوی لکھی نظر آتی ہے، کبھی تمام صفحات پر انگریزی مضمون چھپا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ امرِ حقیقی آج بھی یہ ہے کہ میرے ذہن میں دینی مباحث، ادبی افکار، صحافیانہ نوٹس، فلسفیانہ نظریات، نظموں، غزلوں اور نعتوں کے الگ الگ خانے اس طرح سے بنے ہیں جیسے کسی الماری کے ہوتے ہیں جس طرح کا کام سامنے آتا ہے، اسی کے مطابق ایک خاص خانے کو کھول کر اس میں سے فائیل نکال لیتا ہوں اور کام شروع کر دیتا ہوں۔ تقریروں میں بھی، علمی تقریریں، سیاسی تقریریں، مساجد کی تقریریں اور تعلیم گاہوں کی تقریریں میرے ہاں بالکل الگ الگ اسٹائل پر مرتب ہوتی ہیں۔ خدا کے فضل سے یہ رنگا رنگی کچھ نہ کچھ آج بھی قائم ہے۔ کوئی گھر بند نہیں! یہ محض خدا کی عنایت ہے، میرا کیا کمال!

اپریل ۱۹۵۰ء میں جب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی ملتان جیل سے رہا ہوئے تو موصوف کی رہائی کے چند ہی دن بعد میں نے ترجمان القرآن کی مجبورانہ ادارت سے سبکدوش ہونے کی درخواست بہ اصرار پیش کی، اور منظور ہو گئی۔ خدا جانے یہ خیال کیسے میرے ذہن میں آیا کہ اسی وقت سے برادر مرحوم پروفیسر عبدالحمید صدیقی صاحب نے میری خالی کردہ جگہ کو پُر کیا۔ حقیقت میں ایسا نہ تھا۔ اس زمانے میں خود صاحبِ ترجمان القرآن ہی نے از سرِ نو ادارت سنبھال لی۔ پروفیسر صاحب کی تحریریں کبھی کبھی ادھر شائع ہوتی رہیں۔ مولانا محترم نے کام کی زیادتی کی وجہ سے ۱۹۵۸ء میں صدیقی صاحب کو ترجمان القرآن کی ادارت تفویض کی۔ شروع میں وہ میری طرح متوسط درجے کا کام کرتے رہے، لیکن مطالعہ و کاوش کے بل بوتے پر انہوں نے تیزی سے ترقی کی۔ پچھلے دو چار سال سے وہ جس معیار کے ساتھ اشارات لکھ رہے تھے، جو تفکر ان کی تحریروں میں کام کرتا تھا اور ہر قسم کے حالات میں جس واشگاف انداز سے وہ اظہارِ حق اور اعلان کرتے تھے۔ ان چیزوں کو سامنے رکھ کر میرے لیے یہ تصور کرنا بھی ممکن نہ تھا کہ میں اب کبھی ترجمان القرآن کی ادارتی ذمہ داریوں میں شریک ہوں گا۔ ترجمان القرآن کے لیے جو خانہ دماغ کی الماری میں کبھی مقرر کیا تھا، بند پڑے پڑے اس کے قفل اور قبضوں میں زنگ لگ چکا تھا۔

پروفیسر عبدالحمید صدیقی کی بیماری کے دوسرے شدید دور میں جب کہ ان کے لیے لکھنا یوں بھی ممکن نہ تھا اور معالج کی طرف سے کچھ پرہیز بھی لازم کیا گیا تھا، صاحب ترجمان القرآن کی طرف سے اشارہ ہوا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ اس وقفے میں عارضی طور پر میں کم سے کم اشارات لکھ دیا کروں۔ امتثالِ امر کے لیے اشارات کے صفحات کو ٹیڑھی لکیروں سے بھر دینے کا عمل شروع کر دیا۔ اسی دوران میں صدیقی صاحب کا انتقال ہوگیا۔ اور سچی بات یہ ہے کہ ان کا جنازہ پڑھ آنے کے بعد تک بھی مجھے یہ اندیشہ کبھی لاحق نہیں ہوا کہ ترجمان القرآن کی کوئی ذمہ داری مجھے اٹھانی ہوگی۔ اس کا حکم بھی اچانک ہی ملا۔ اور تحریکِ اسلامی کے ایک ادنیٰ خادم کی حیثیت سے میرے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ میں ایک اہم خدمت سے محض اس لیے فرار کروں کہ میری نگاہ میں میرا کام ویسا نہیں ہو سکتا تھا جیسا ہونا چاہیے تھا۔

میں اس موقع پر وہی بات کہتا ہوں جو حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے متعلق کہی تھی کہ اے ابوبکر تم نے اس کام کو اپنے بعد والوں کے لیے مشکل تر بنا دیا۔ سو صدیقی صاحب کام کو ہمارے لیے زیادہ مشکل بنا گئے۔

عجیب بات ہے کہ میری ساخت اللہ تعالیٰ نے ایسی بنائی ہے کہ میں ہمیشہ بے مزد کام کر کے خوشی محسوس کرتا ہوں۔ خصوصاً دینِ برحق یا تحریکِ اسلامی کی کوئی خدمت مجھ سے انجام پا سکے تو میری روح کی حقیقی مسرت اس صورت میں ہوتی ہے کہ کسی تنخواہ یا وظیفے کے بغیر جو کچھ بن آئے کرتا رہوں۔ دین یا تحریک تو بڑی چیز ہے، میں نے اگر اخبارات و رسائل میں کچھ لکھا تو بسا اوقات پیشکش ہونے کے باوجود کچھ لینا پسند نہیں کیا۔ کسی سے میں نے از خود کبھی مطالبہ نہیں کیا۔ ہاں اکا دکا دوست ایسے بھی نکلے جنھوں نے از خود کبھی کبھار تھوڑا بہت احسان کر دیا۔ ظاہر ہے کہ ایسے بے نیازانہ مسلک کے لیے ایک جائیداد چاہیے یا مسلسل آمدنی دیتے رہنے والا کاروبار۔ یہ معاملہ اپنے ہاں صفر کے گول دائرے کے جوفِ خالی سے آگے نہیں بڑھا۔ مجبوراً گذر بسر کی راہیں ڈھونڈنی پڑتی ہیں۔ بایں ہمہ جب معاوضے پر کام کرنے کا معاملہ آتا ہے تو گویا میرے ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں، اور دماغ کا شیرازہ بکھرنے لگتا ہے، بہرحال ناشکرے پن سے خدا محفوظ رکھے اور کسی تعمیری و فلاحی خدمت کے ذریعے وہ اگر حلال روزی دے تو حرام خوری کے اس دور میں اس کی بڑی عنایت ہے۔ ہم جیسے کمزور لوگ فاقہ مستی کو بھی تو سہہ نہیں سکتے۔ ایسا ایک ہفتہ گزارنا پڑے تو سب کچھ زیر و زبر ہو جائے۔

اب جب کہ یہ ذمہ داری میرے حصے میں آ گئی ہے اور میں اپنے سے بہتر کسی آدمی کے سامنے آنے تک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسے نبھانے کی کوشش کروں گا، میرا جی چاہتا ہے کہ امکانی حد تک ایسی بہترین خدمات انجام دے سکوں جو اس موقر مجلے کے شایانِ شان ہو۔ یہ مجلہ جس نے بے شمار افرادِ ملت اور خصوصاً نوجوانوں کی زندگیوں کا نقشہ بدل دیا ہے۔ ہم جس نازک دَور میں سے گذر رہے ہیں، وہ باطل کی ترکتازیوں کے عین درمیان تحریکاتِ اسلامی کے اُبھرنے کا دَور ہے جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف خونخوار حملوں اور سازشوں اور مکاریوں کا دَور ہے۔ الحاد اور مادہ پرستی پر مبنی تہذیب مختلف نظاموں کے پیرایوں میں اپنے لاینحل تضادات کے درمیان بے بسی کے ساتھ گھری کھڑی ہے۔ ان تضادات کا اب کوئی حل سوائے اس کے نہیں کہ یہ زندگی کے ہر گوشے میں تصادم پیدا کریں اور موجودہ نقشۂ تمدن درہم برہم ہو جائے۔ درحقیقت دَورِ نو کی شکست کا آغاز ہو چکا ہے۔ لیکن باطل مرٹنے سے پہلے زخمی سانپ کی طرح ہر اس زندہ وجود کو ڈس لینا چاہتا ہے جو سانپ نہیں ہے۔ چنانچہ اسلامی تحریکات کے خلاف دُنیا میں بڑے بڑے اژدر پھنکار رہے ہیں اور مسلمانوں کی نیش زنی کے لیے ایک نہ ایک سنپولیا بس گھول رہا ہے۔

خود پاکستان میں ایک طرف اسلامی نظامِ حیات کی طلب نیچے کی دعوتی سطح سے اُمڈ کر اُوپر کی سیاسی سطح تک آگئی ہے، اور دوسری طرف مغربی، اسرائیلی اور سوشلسٹ قوتیں نہ صرف اس کا رستہ روکنا چاہتی ہیں بلکہ سرے سے اس رجحان ہی کو ملیا میٹ کر دینا چاہتی ہیں۔ ایک مزاحمت اسلامی تحریکات کے خلاف ہو رہی ہے اور دوسری شقاوت جگہ جگہ مسلمانوں کے خلاف ہو رہی ہے، کیونکہ ان سے اندیشہ ہے کہ آہستہ آہستہ ان کا وزن اسلامی تحریکات کے پلڑے ہی میں جاتا ہے۔

مگر نظر بظاہر قدرت کا نقشہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ حالات کی سنگین ناخوشگواریوں کے باوجود اسلام کو اُبھار کے اُوپر لانا چاہتی ہے —— اسی طرح جیسے فرعون کے گھر میں موسیٰؑ پروان چڑھے تھے۔

میرے سامنے یہ پیچیدہ احوال پوری طرح واضح ہیں۔ اور میں پہلے بھی جو کام جس دائرے میں کر رہا ہوں اسی جذبے سے کر رہا ہوں کہ اسلام کا بول بالا ہو، اور اب ترجمان القرآن کے ذریعے جو خدمت انجام دینے کا موقع مجھے نصیب ہوا ہے اسے بھی میں اسی مقصد کے لیے کام میں لانا چاہتا ہوں کہ لیقوم الناس بالقسط۔

میں چاہتا ہوں کہ صاحبِ ترجمان القرآن، دفتر ترجمان القرآن کے کارکن، جماعتی عمائد اور کارکن اور رسالہ کے قارئین سبھی میرے لیے دُعا کریں کہ میں خلوص اور قابلیت سے اس مشن کو پورا کر سکوں جسے میں نے اجاگر عرض کیا ہے۔ تمام توفیق اور نصرت صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔

© rasailojaraid.com